عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!!

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

محرم ۱۴۲۴ھ / مارچ ۲۰۰۴ء

جلد دوم:
شمارہ: ۴

فہرست

فی شمارہ: ۱۵ روپے

سالانہ بدل اشتراک: ۱۶۰ روپے

خط و کتابت کا پتہ: مکان P-12 یونیورسٹی کیمپس پشاور۔

مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ

''راہِ سلوک راہ سنت کے علاوہ کچھ نہیں''

ائمہ حق اور ائمہ سلوک سب کا اس بات پر اجماع ہے کہ انسان کتنا بڑے سے بڑا سالک اور ولی وقطب ہو جائے، جب تک وہ ہوش وحواس کی حالت میں ہے تکلیفات شرعیہ (نماز روزہ وغیرہ) اس سے ساقط نہیں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے اوامر دیئے ہیں ہوش میں ہوتے ہوئے ان سے ساقط نہیں۔ ولی نبی کے قدم پر ہوتا ہے اگر وہ نبی کے طریقہ پر نہیں تو وہ اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس کسی نے ذکر کیا کہ فلاں صوفی کہتا ہے کہ میں اس مقام پر پہنچ گیا ہوں کہ اب مُجھ پر سے اللہ تعالیٰ کے احکام ساقط ہو گئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ بے شک پہنچ گیا ہے لیکن جہنم تک۔ ائمہ سلوک کے نزدیک کسی حالت میں بھی کوئی ایسا مقام انسان پر نہیں آتا کہ ہوش و خرد کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام اس سے اُٹھ جائیں اور وہ آگے ترقی کر سکے۔ یہ راہ بہت نازک ہے۔

یار باید راہ را تنہا مرو

بے قلاوز اندریں صحرا مرو

یعنی بغیر رہبر کے اس صحرا میں قدم نہ رکھ۔ اس راہ میں عجیب عجیب گھاٹیاں آتی ہیں اور شیطان ایسے ایسے طریقوں اور رُخوں سے بہکا دیتا ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ میں حق پر ہوں حالانکہ حق پر نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ مراقبہ میں تھے، کیا دیکھتے ہیں کہ پورا اُفق ایک نور سے بھر گیا اور اس سے ایک آواز آئی کہ اے عبدالقادر جتنا مُجاہدہ تم نے کرنا تھا وہ کر گئے، تم کو اب مزید مجاہدات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ کمبخت دور ہو، اس پر وہ نور چھٹ گیا اور پھر آواز آئی کہ عبدالقادر اپنے علم کی بدولت آج تو مُجھ سے بچ گیا۔ حضرتؒ نے پھر فرمایا کہ کم بخت اب بھی باز نہیں آتا۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا کہ اپنے علم سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے بچ گیا۔ تو شیطان ایسے بڑوں بڑوں کو بھی نہیں چھوڑتا۔ اس کہنے سے وہ ساری نورانیت ظلمت میں تبدیل ہو گئی۔ حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی احکام نہیں اُٹھائے تو میری کیا حیثیت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

ارشاد خداوندی ہے۔

وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَأْتِیَکَ الْیَقِیْنُ o(الحجر۔۹۹)

اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیئے یہاں تک کہ آپ کر موت آجاوے!۔

جب نبی کے لئے یہ حال ہے تو غیر نبی سے احکامات کیسے ساقط ہو سکتے ہیں!۔اولیاء اللہ میں تو احکام کی پابندی کا جذبہ اتنا ہوتا ہے کہ جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ایک دفعہ حضرت معین الدین اجمیریؒ کے وضو میں داڑھی کا خلال رہ گیا تو 40 دن تک روتے رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤں گا۔

حقیقت میں راہِ سلوک راہ سنت کے علاوہ کچھ نہیں۔ سنت نبوی کے دو پہلو ہیں ایک باطنی اور ایک ظاہری۔اہل سلوک باطن پر اس لئے اتنا زور دیتے ہیں کہ ظاہر باطن کے بغیر ناقص ہے۔اخلاص کے بغیر کوئی عمل بھی مقبول نہیں،اسی طرح تقویٰ تسلیم ورضا وغیرہ دل کے ساتھ متعلق ہیں۔جب تک دل کی صفائی نہیں ہوتی اور دل غیر خدا اور خواہشات نفسانی سے بھرا ہوا ہوتا ہے انسان اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔منافق بھی تو ظاہری اعمال ادا کرتے ہیں لیکن اُن کا کوئی عمل بھی مقبول نہیں ہوگا۔اہل سلوک کی محنت اس بات پر ہوتی ہے کہ ظاہر بھی ضروری ہے ظاہر کے بغیر کام نہیں چلتا لیکن باطن اصل ہے۔جتنے بھی اعمال ظاہری ہیں یہ اعمال باطنی کے محتاج ہیں۔بعض لوگ اہل سلوک ہوتے ہیں اور بعض اہل جذب۔اہل سلوک وہ ہوتے ہیں جو سلوک کی منزل سے گزرے ہوں۔ ہر سالک کا وصول بذریعہ انجذاب ہوتا ہے۔اصطلاح میں مجذوب ایسے آدمی کو کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کسی تجلی کو برداشت نہ کر سکا ہو اور اس کے ہوش وحواس معطل ہو گئے ہوں اور وہ ایک مقام پر ٹھہر گیا ہو۔اس کی روحانی ترقی رُک جاتی ہے۔یہ لوگ کشتہ حق ہوتے ہیں۔یہ شخص اللہ کے نزدیک مقبول تو ہے لیکن معطل ہو گیا ہے،اس لئے آگے دوسرے کی اصلاح نہیں کر سکتا۔انکی مثال فرشتوں کی سی ہوتی ہے اور یہ اہل خدمت بھی مقرر کئے جاتے ہیں۔حکم کے پابند ہوتے ہیں اور آٹومیٹک مشین کی طرح کام کرتے ہیں۔

حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ ایک بزرگ کی بات کر رہے تھے کہ میں مکہ میں ایک اہل خدمت سے ملا اس کو بہت کہا کہ پاکستان کے لئے دُعا کرو تو آگے سے فرمایا کہ جدھر مولا ادھر دولہ۔ پنجاب میں حضرت شاہ دولہ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ایک دفعہ سیلاب آیا۔لوگ بند باندھنے کے

لئے گئے تو ان کو بھی ساتھ لے گئے۔ اُنھوں نے پھاوڑا لیا اور لوگوں نے جو بند بنایا تھا اس کو بھی کھودنے لگے۔ لوگوں نے شکایت کی حضرت آپ یہ کیا کر رہے ہیں فرمایا کہ جہاں مولا وہاں دولہ۔ اللہ کی مرضی ہی ایسی ہے کہ سیلاب آ جائے تو میں کون ہوں کہ روک لوں۔ محقق صوفیاء مریدین کو مجاذیب کے تعلق سے اس لیے روکتے ہیں کہ اگر خوش ہوگئے تو زیادہ سے زیادہ اپنی طرح کر دیں گے۔ اور اگر ناراض ہوگئے اور بددُعا کر دی تو نقصان ہو جائے گا۔

ان مجاذیب میں بعض تو کچھ نہ کچھ ہوش وحواس میں ہوتے ہیں اور اکثر ان میں ہوش وحواس میں بالکل نہیں ہوتے۔ احکامِ الٰہی کا مدار عقل اور ہوش حواس پر ہے۔ تو جب تک ہوش وعقل نہیں ان سے احکام ساقط ہیں، لیکن احکام کا سقوط اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ پہنچ گئے ہیں اور واصل باللہ ہو گئے ہیں بلکہ احکام اس وجہ سے ساقط ہیں کہ معطل ہو گئے ہیں اور اس معطل ہونے کی وجہ سے ان کی آگے کی ترقی بند ہوگئی ہے۔ اگر کسی وقت ہوش وحواس بحال ہو جائیں تو احکام ادا کرنے ہوں گے۔ بعض اولیاء پر سُکر کا غلبہ ہوتا ہے لیکن جب نماز کا وقت آتا ہے تو ہوش میں آ جاتے ہیں۔ حضرت مولانا عبد الحق رودولوی ایک بزرگ گزرے ہیں، وہ ہر وقت سکر کی حالت میں ہوتے تھے لیکن نماز کے وقت ہوش میں آ جاتے تھے، 30 برس تک نماز قضا نہیں ہوئی اور مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ مسجد کا راستہ معلوم نہ کر سکتے تھے آگے آگے ایک مُرید جاتے تھے وہ حق حق کہتے تھے اور یہ اس کی آواز پر اس کے پیچھے چلتے تھے۔

سالک جب اللہ کی راہ میں چلتا ہے اور مجاہدات کرتا ہے تو اس کا دل صاف ہوتا رہتا ہے۔ اور اس کے دل پر اوپر کی چیزوں یا تجلیات الٰہیہ کا انعکاس ہوتا ہے۔ بعض اوقات اللہ کی عظمت کی تجلی اس کے دل پر وارد ہوتی ہے، اگر قوٰیٔ قوِی ہوتے ہیں تو برداشت کر لیتے ہیں اور اس سے اس کے دل میں عجز وانکساری پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اگر دل قوی نہیں ہوتا تو وہ شخص سکتے کی حالت میں چلا جاتا ہے اور تجلی کو برداشت نہیں کر پاتا۔ مثال کے طور پر ایک شخص رات کے وقت اکیلے بیٹھا ہو اور اچانک کوئی آواز دے تو ڈر جاتا ہے اور اس پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تجلی حق سے سالک سکتہ کے عالم میں چلا جاتا ہے اور ہوش اُڑ جاتے ہیں اور اسی مقام پر ٹھہر جاتا ہے۔ تو یہ اب کشتہ راہ حق ہے تجلی ہیبت کی وجہ سے اس کی روحانی کیفیت سکتے کے عالم میں آ جاتی ہے اور اس تجلی کی وجہ اور تأثر سے وہ اتنا

گھبرا جاتا ہے کہ اس کا دماغ کام چھوڑ دیتا ہے۔ اس قسم کے مجذوب وہ لوگ ہو جاتے ہیں جو شیوخ کے کہنے اور تعلیمات سے گریز کرتے ہیں اور اپنی مرضی پر چلتے ہیں۔ اگر شیخ کامل ہو تو مُرید کو اس قسم کی گھاٹی سے نکال دیتا ہے۔ جس طرح بچہ کی ساری ظاہری پرورش اور نشو ونما ماں کے ذریعہ سے ہوتی ہے اسی طرح راہ سلوک میں جتنی تربیت ہے وہ شیخ پر مبنی ہوتی ہے۔ بعض اوقات مُرید کی کوتاہیوں اور غلطیوں کو شیخ تو معاف کر دیتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا۔ حسین بن منصور حلاّج پر بہت ہی ابتلاء آئی ان کی اس ابتلاء کی وجہ یہ تھی کہ آپ اپنے واردات قلبی اور احوال کو ظاہر کرتے تھے اور ان کے شیخ حضرت جنید بغدادیؒ ان کو اس کے ظاہر کرنے سے منع کرتے تھے۔

صوفیاء کا ایک طبقہ اور ہے جس سے عمومی طور پر ناسمجھ یا مبتدعین نے غلط معنی نکالے ہیں۔ پُرانے دور میں ایسے لوگوں کو ملامتی کہتے تھے اور ایرانی اصطلاح میں قلندر کہتے ہیں۔ اب وہ قلندری کیا ہے ملامتیہ کے پردے میں باطنیوں نے دین کو بہت نقصان پہنچایا اپنے طریقے رائج کئے اور لوگوں کے دین وایمان کو برباد کیا حالانکہ 'ملامتیہ' وہ لوگ ہیں جو ظاہری شریعت کے ضروری اعمال کے تو پابند ہوتے ہیں لیکن اپنے دلی حالات تقویٰ، ذکر، تسلیم ورضا، اخلاص کے قبیل کے اعمال نیز کثرت نوافل کو چھپاتے ہیں۔ وہ ریا سے بچنے کے لئے اعمال کا اخفاء کرتے ہیں۔ ملامتیوں کا طبقہ ان لوگوں کے مقابلہ میں وجود میں آیا جو ریا کار تھے تو یہ اعمال کی اخفاء کی کوشش کرنے لگے۔ اور بعض ایسی چیزیں جو شریعت میں مباح تھیں مگر بعض اوقات وہ اونچے لوگوں کی نظر میں اچھی نہیں ہوتیں ان کو کر دیتے تھے۔ ملامتیوں کی بُنیاد اخفاء اعمال ظاہری برائے حفاظت از ریا تھی۔ اس دور میں ایک اور طبقہ جو باطنیہ فرقے کے نام سے مشہور تھا وہ شریعت کے ظاہری وجود کا قائل ہی نہیں تھا، آغا خانی اسی باطنی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اخوان الصفاء بھی باطنی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ باطنی طبقہ کے لوگوں نے اپنے اثرات ڈالنے شروع کئے، اور انہوں نے بعض طبقات میں اعمال کی ضرورت ہی ختم کر دی۔ تصوف کے نام پر یوں پکارنا شروع کیا کہ نماز وروزہ کی ضرورت ہی نہیں، ہمارا باطن صاف ہے۔ اس طبقہ نے ملامتیہ فرقہ کو بدنام کیا۔ جو برائے نام صوفی تھے اُنہوں نے اس چیز کو گھڑ لیا کہ اعمال ظاہری کی ضرورت ہی نہیں بس دل صاف ہونا چاہئے۔ محقق صوفیاء کے ہاں شریعت کے بغیر معاملہ نہیں بنتا۔ ملامتیہ لوگوں کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ حق گوئی کی کیفیت ان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر جگہ کُھل کر بات کرتے ہیں۔

یہاں تک کہ حکومت کی پرواہ نہیں کرتے جو دل میں آیا کہہ دیا۔قلندرانہ شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایسی نیازمندی حاصل ہو جائے کہ مخلوق سے بے نیاز ہو جائے۔قلندر حق گو ہوتا ہے۔

قلندر جز دو حرف لاالہ کچھ بھی نہیں رکھتا

فقیہ شہر قارون ہے لغت ہای حجازی کا

وہ مخلوق سے بالا ہوتا ہے۔ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مخلوق سے متاثر نہ ہو۔کوئی تُجھے قطب و ابدال کہے اور تم خدا کے ہاں دال ہو اور مردود ہو تو کیا ملا؟ اور کوئی تُجھے ذلیل وخوار سمجھے اور خدا کے ہاں تم مقبول اور محبوب ہو تو کیا نقصان ہوا۔مخلوق کی مدح وذم کو خاک میں ملا دو۔ کامل کی صفات میں یہ بھی ایک صفت ہے کہ وہ مخلوق کی مدح وذم کی پرواہ نہیں کرتا۔ صوفیاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہوش وحواس کے ہوتے ہوئے احکام کسی سے بھی ساقط نہیں ہوتے۔اگر کوئی کہتا ہے کہ ساقط ہوتے ہیں تو یہ زندقہ اور الحاد ہے۔ ہمارے حضرت سید صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے نزدیک طریقت وحقیقت کی اصل فقط اتنی ہے کہ شریعت کے ظاہری و باطنی احکام تمہارا حال ومقام بن جائیں۔عامی سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاضر وناظر ہے لیکن محسوس نہیں کرتا۔اور عارف دیکھ رہا ہے اور محسوس کر رہا ہے کہ خدا حاضر وناظر ہے۔ یہ عقیدہ حال ہو جائے ،اللہ تعالیٰ کی صفات چھا جائیں احسان کی کیفیت حاصل ہو۔ صوفیوں کا کوئی دوسرا نبی تو نہیں کہ ان کی شریعت جدا ہو اور اس پر عمل کرنے کا ان کا کوئی جداگانہ طریقہ ہو۔

☆☆☆☆☆

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ مجھے ایک مکان تعمیر کرنا ہے،جس کے لیے مجھے بارہ ہزار درخت دیے جائیں۔آپ نے اس سے اس کے مکان کی وسعت پوچھی تو کہا کہ دو فرسخ (چھ میل) لمبائی اور دو فرسخ (چھ میل) چوڑائی۔آپ نے پوچھا کہ ایسا مکان ہے کہاں؟اس نے کہا کہ بصرہ میں،آپ نے ظرافتاً کہا کہ

لَا تَقُلْ دَارِیْ بِالْبَصْرَةِ وَلٰکِنْ قُلِ الْبَصْرَةُ فِیْ دَارِیْ (البدایہ والنہایہ)

یہ نہ کہو کہ میرا مکان بصرہ میں ہے بلکہ یوں کہو کہ بصرہ میرے مکان میں واقع ہے

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ

''اصلاحی مجلس''(قسط ۔۲)

نفس کے چکر میں پھنسنے کے بڑے خطرات ہوتے ہیں، آدمی دنیا کی چیزوں کو حاصل کرنے کی نیت سے آتا ہے ان کی ہی فکر میں پڑ جاتا ہے جس سے آدمی کے لڑھک جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے احکامات کو توڑ کر وسائلِ دنیا کو لے رہا ہے تو یہ اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ میرا پالنے والا (نعوذباللہ) اللہ تعالیٰ نہیں ہے بلکہ دنیا کی یہ چیزیں ہیں۔ اور یہی کفرِ عملی ہے اگر چہ کفرِ اعتقادی نہ ہو یعنی اعتقاداً تو یہ کافر نہیں ہے لیکن کام کافروں جیسے کر رہا ہے۔ کفرِ اعتقادی یہ ہے کہ آدمی اعلان کر دے کہ میں کافر ہوں۔ عملی طور پر ہمارا یہ حال ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے مقابلے میں دنیا اور دنیا کی چیزوں کو اپنا پالن ہار (پالنے والا) سمجھتے ہیں اور اپنے مسائل کو حل کرنے والا سمجھتے ہیں۔ جتنی عاجزی ایک بھکاری جگہ جگہ جا کر سارا دن کرتا ہے اگر اس کی جگہ صرف ایک گھنٹہ بھی اللہ تعالیٰ کے حضور رونا دھونا ہو تو سارے مسائل غیب سے حل ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے آزمائش میں ڈال کر دنیا میں اتارا ہے چنانچہ فرمایا

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط (الملک ۔۲)

ترجمہ: جس نے بنایا مرنا اور جینا تا کہ تم کو جانچے کون تم میں سے کرتا ہے اچھا کام۔

اور حکم کیا ہے،

فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا ٥

ترجمہ: سو پھر جس کو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے سو وہ کرے کچھ نیک کام اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو۔ (الکھف ۔۱۱۰)

تو ایک دل کو درست کرنا ہے اور ایک اپنے عمل کو درست کرنا ہے یعنی قلب اور قالب دونوں کی اصلاح کرنی ہے۔ قلب یقین کا محل ہے اور قالب (جسم) اعمال کا محل ہے۔ قلب کو شرک سے پاک کرنا ہے اور قالب کو اعمال سے مزیّن کرنا ہے۔ تو جس کو اس بات کی امید ہو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی ذات سے ملنا ہے تو وہ ان دو باتوں کو لے کر آئے، **فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا** ٥ ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلویؒ کے دو اشعار ہمیں سنایا کرتے تھے ایک تو جب شاہ صاحبؒ تہجد میں اٹھتے تھے تو پہلے کچھ دیر اشعار پڑھتے تھے ان میں ایک شعر یہ پڑھتے تھے

شب تاریک راہ باریک منزل دور من تنہا دستم گیر یااللہ ، دستم گیر یااللہ

لاالہ الا اللہ ، لاالہ الا اللہ

کہ رات تاریک ہے، راستہ بڑا باریک ہے، منزل دور ہے اور ہم اکیلے ہیں، اے اللہ ہمارے ہاتھ کو پکڑیو، اے اللہ ہمارے ہاتھ کا پکڑیو، اور پھر سلسلہ چشتیہ کا ضربوں والا ذکر شروع فرماتے۔

اور دوسرا شعر مولانا صاحب یہ سناتے تھے،

بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکون خاطر بھی کم نہیں ہے

کسی سے ملنے کی ہیں امیدیں، کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

کہ جس کو (دنیا اور اس کی چیزیں) چھوڑ کر جارہے ہیں ان کو چھوڑ کر جانے کا غم ہی نہیں ہے اور جن سے ملنے کے لیے جارہے ہیں ان سے ملنے کی بڑی آرزوئیں اور امیدیں ہیں۔

تو جس کو اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کی چاہت ہو اس نے تیاری بھی کرنی ہے۔ اور یہ ایک دو دن کی بات نہیں ہے، ہم بھی بات کرتے ہیں کچھ ہمارا بھی جذبہ بن جاتا ہے پھر کسی کا جذبہ چوبیس گھنٹے باقی رہتا ہے، کسی کا ہفتہ بھر اور کسی کا ایک مہینے تک باقی رہتا ہے پھر لڑھک جاتے ہیں۔ جیسے گاڑی خراب ہوگئی ہو اسے چڑھائی پر چڑھاتے ہیں اور جب چھوڑتے ہیں تو پھر لڑھک کر نیچے آجاتی ہے اور اگر ٹائر کے نیچے پتھر رکھ دیں تو پھر نہیں لڑھکتی۔ تو ایک دو دن کی بات نہیں اس پر وقت لگتا ہے قلب کو قلب کہتے ہی اس لیے ہیں کہ یہ ادلتا بدلتا رہتا ہے کسی بات پر آتا ہے پھر ہٹتا ہے، یہاں تک کہ کرتے کرتے بالآخر جم جاتا ہے، اور جب جم جاتا ہے تو اس کے بعد جدا ہی حالات شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی کے لیے مسلسل جدوجہد اور کوشش ہے۔ ہمارا محاذ نہ تو دنیاداروں کے خلاف ہے اور نہ ہی حکومتوں کے خلاف ہے ہمارا محاذ تو نفس اور شیطان کے خلاف ہے۔ ساری خرابی ہی اس ظالم نفس میں ہے جس نے سارے حالات کو خراب کیا ہوا ہے۔ حضرت سلطان باھوؒ نے فرمایا کہ

لکھ ہزار کتاباں پڑھیاں، ظالم نفس نیں مردا ھو

باج فقیراں کسی نیں ماریا اے ظالم چور اندر دا ھو

(ہم نے ہزاروں لاکھوں کتابیں پڑھ ڈالیں لیکن نفس کی اصلاح نہ ہوئی، سوائے فقراء کے کسی نے اندر کے اس ظالم چور کو نہ مارا)

ایک بڑے بزرگ سے بوعلی سینا کی ملاقات ہوئی تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ بوعلی سینا کو کیسا

پایا؟ تو انھوں نے کہا کہ ''اخلاق نمی دارد'' یعنی اس میں اخلاق نہیں ہے۔ بوعلی سینا کو اس بات کا جب پتہ چلا تو اس نے دو جلدوں میں ''علم الاخلاق'' پر ایک کتاب لکھی اور ان بزرگ کو بھیج دی، انھوں نے جب کتاب کو دیکھا تو کہا کہ ''من چرا می گویم کہ اخلاق نمی داند، من می گویم کہ اخلاق نمی دارد'' کہ میں نے کب کہا ہے کہ اخلاق جانتا نہیں ہے، میں نے تو یہ کہا ہے کہ اخلاق رکھتا نہیں ہے، یعنی جانتا تو ہے مگر اس کو حاصل نہیں ہوئے ہیں کہ جس بات کو جانتا ہے اس کو برت رہا ہو، اس کے مطابق چل رہا ہو یہ بات اس میں نہیں ہے۔ سچ بات ہے اکثر اوقات خرابی تو انسان کے اپنے نفس میں ہوتی ہے اور وہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ خرابی کہیں اور لوگوں میں ہے اور میں جو پریشان ہو رہا ہوں تو اس وجہ سے ہو رہا ہوں حالانکہ خرابی اس کے اپنے نفس میں ہے اُس سے یہ پریشان ہو رہا ہے۔ یہ تو بہت آسان ہے کہ میں کھڑا ہو کر کہہ دوں کہ ساری خرابی معاشرے میں ہے، ساری خرابی سیاسیوں میں اور حکومتوں میں ہے، فلاں میں ہے فلاں میں ہے۔ جبکہ میں تو باشرع آدمی ہوں، پاک اور صاف ستھرا ہوں۔ دوسروں کے عیوب جب بیان کئے جا رہے ہوں تو آدمی کو بڑا مزہ آتا ہے کیونکہ اس سے اس بات کا اعلان ہو رہا ہوتا ہے کہ ہم تو پاک وصاف اور مقدس شخصیات ہیں۔ عموماً دین کا کام کرنے والے لوگوں نے گروہ بنائے ہوئے ہوتے ہیں اب ایک آدمی بیان کرے تو اس کے حواری یہ کہتے ہیں کہ ''نن خو شیخ صاحب بیان او کڑو کنہ، دا رذیلان اے پہ ستر گو کے اووال'' آج شیخ صاحب نے بیان کیا اور ان رذیلوں (مخالفین) کو آنکھوں آنکھوں میں مارا''، ''او ڈیر خوند او کڑو تقریر'' بہت مزہ آیا تقریر میں'' کیونکہ برائیاں تو دوسروں کی بیان ہو رہی تھیں اور مزہ ہمیں آرہا ہے۔ جبکہ تصوف کی تو بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ برائی بیان ہوگی تو تیری اور میری کہ تیرے اندر کیا خرابی ہے؟ اور میرے اندر کیا خرابی ہے؟ اس کا مزہ نہ تجھے آئے گا اور نہ مجھے آئے گا بلکہ تکلیف ہوگی۔ ہمارے اعتکاف میں ایک حاجی صاحب آئے ہوئے تھے میں نے پوچھا کہ حاجی صاحب کیا تاثرات ہیں؟ تو انھوں نے کہا کہ ''اول درے روزو کے خو خہ تنگ شوے وؤ'' کہ پہلے تین دن خوب تنگ ہوئے تھے پھر درمیانے تین دن میں ہم برداشت کرتے رہے اور ''آخری روزو کہ ڈیر خوند وؤ'' کہ آخری دنوں میں بڑا مزہ آرہا تھا۔ میں نے کہا کہ پہلے تین دنوں میں تو ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعے سارا آپریشن اور جراحی اپنا اور آپ کا ہو رہا تھا، اس میں سوئی چبھ رہی تھی، چاقو لگ رہے تھے، تکلیف تو ہوتی ہے جب آدمی کے عیب بیان ہو رہے ہوں لیکن اس کو اگر فہم ہو جائے کہ یہی میرے عیب میرا راستہ مار رہے ہیں، ان کا دور کرنا ضروری ہے تو

پھر یہاں سے فائدہ شروع ہو جاتا ہے اور رحمت کا دروازہ کھلتا ہے اور جب عیوب دور ہو جائیں تو بس مسائل درست ہو جاتے ہیں۔ ہمارے حضرت مولانا سعید خان صاحب تبلیغ کے سلسلے میں جماعت کے ساتھ ملک شام گئے ہوئے تھے وہاں مسجد میں گئے، لوگوں کو جمع کرنا تھا اور بیان کرنا تھا حکومت والے آئے انھوں نے سب کو باہر نکال دیا، مقامی عرب آئے انھوں نے بات چیت کی اور انھیں اندر لے گئے، حکومت والے اندر آئے پھر کہا کہ ان کو باہر نکالو، پھر باہر نکال دیا، مقامی بااثر ساتھیوں کی بات چیت کے بعد پھر اندر آ گئے اس کے بعد پھر باہر نکال دیا اب مقامی ساتھی بھڑکے ہوئے ہیں اور ساتھ میں جماعت والے ساتھی بھی بھڑکے ہوئے ہیں کہ ہم انسان نہیں ہیں کہ ہماری اتنی بے عزتی کر رہے ہیں ہمیں اتنا ستا رہے ہیں کبھی کہتے ہیں باہر جاؤ کبھی کہتے ہیں اندر جاؤ ہماری تو ناک ہی کاٹ دی، تو مولانا سعید اللہ خان صاحب نے سامان اٹھایا اور کہا کہ میری تو ناک ہی نہیں ہے اور مسجد میں چلے گئے۔

اخلاص والے ہدایت کے چراغ ہیں ان کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ بڑے بڑے فتنوں کو دور فرما دیتا ہے تذکرۃ الاولیاء میں حضرت بایزید بسطامیؒ کا تذکرہ ہے کہ آپ جا رہے ہیں اور ساتھ میں دو نوجوان بھی جا رہے ہیں ایک نوجوان نے ستار اٹھایا ہوا ہے اور بڑے سُر میں اچھلتے کودتے، کبھی ٹیڑھے ہو کر اور کبھی سیدھے ہو کر بجا رہا ہے حضرت بایزیدؒ نے دیکھ کر لاحول ولاقوۃ پڑھی، تو نوجوان نے غصہ میں آ کر ستار آپ کے سر پر مار دی اور آپؒ کو زخمی کر دیا مگر آپؒ کچھ نہیں بولے بلکہ خاموشی سے گھر واپس تشریف لے آئے اور اپنے خاص مرید کو دو روپے دے کر بھیجا کہ فلاں نوجوان کو کہو کہ رات کو جس بوڑھے کے تم نے ستار مار دیا تھا انھوں نے دو روپے بھیجے ہیں کہ آپ کی طبیعت برہم ہوئی اس کی درستگی کے لیے ایک روپے کا حلوہ لے کر کھالیں اور اگر کوئی چیز ٹوٹ گئی ہو تو ایک روپیہ میں اس کو درست کروالیں، اس نوجوان نے پوچھا کہ وہ بوڑھا آدمی کون تھا؟ جواب ملا کہ وہ بایزید بسطامیؒ تھے اس نے کہا یا اللہ یہ وہ تھے بہت ندامت ہوئی، توبہ تائب ہوا اور ساری زندگی بدل گئی۔ اللہ والے آنکھ کے ایک اشارے میں فیوض و برکات کے دریا لٹا دیتے ہیں، تقریر کرنے والی بات نہیں ہوتی، تقریر کی ضرورت مجھے اور آپ کو پیش آتی ہے کیونکہ ہمارے پاس عمل نہیں، اور باطن میں قوت نہیں ہے۔ سید سلیمان ندویؒ کا شعر ہے

پلا دے ساغر سرشار مجھ کو وہ ساقی خزاں کو ایک اشارے میں جو بہار کرے

وہ اپنے کانوں سے سنتے ہیں میرے نالوں کو وہ طرزِ نالہ ہو جوان کو بیقرار کرے

کہ تیری میری خزاں ایک اشارے میں بہار ہوسکتی ہے، وہ شخص حضرت بایزید بسطامیؒ کی ایک نظر سے بدل گیا، ''خزاں کو ایک اشارے میں جو بہار کرے'' کہ دو روپے بھیج کر اس کی زندگی بدل ڈالی، کوئی تقریر نہیں کی۔ ایسے وقت میں اپنے نفس کو دیکھا کر جب ایسا حال تیرے ساتھ ہو تو اس وقت تیرا نفس کیا کہتا ہے اگر اس وقت نفس بھڑکتا ہے تو سمجھ لے کہ اصلاح نہیں ہوئی، تعلق مع اللہ حاصل نہیں ہوا، ابھی تو نفس کا ہی بندہ ہے۔ ایک بہت بڑے عالم ہیں زازانؒ تابعی ہیں اور بہت بڑے فقیہ ہیں، کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ گزر رہے تھے لوگ جمع تھے اور ایک آدمی سارنگی بجا رہا تھا، گا رہا تھا اور خوب مست تھا، سارا مجمع جھوم رہا تھا اور لطف اٹھا رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے پاس سے گزرتے ہوئے کپڑوں سے چہرہ چھپالیا اور فرمایا کہ ''کیا ہی سریلی آواز ہے اگر قرآن پڑھنے کے لیے ہوتی''۔ زازان نے پوچھا کہ کون تھا اور کیا کہہ رہا تھا؟ لوگوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور یہ بات فرما گئے، بس اس نے سارنگی کو وہیں توڑا اور ان کے پیچھے ہوگیا، ان کا شاگرد ہوا، علم سیکھا اور وقت کا بہت بڑا عالم ہوا۔ بھائی ایسے ہی صحابہ کے بارے میں نہیں فرمایا گیا کہ ''میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں کہ جس کے پیچھے چلو گے ہدایت پاؤ گے'' کہ ایمان کی حالت میں صحابی کو ایک بار دیکھنے سے آدمی تابعی بنتا ہے اور جس کے بارے میں حدیث میں کہا گیا ہے'' **خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم**'''' بہترین امت میرے زمانہ میں ہے، پھر اس کے بعد اور پھر اس کے بعد''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا زمانہ، یہ سارا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے جو کہ ۱۱۰ھ پر جا کر ختم ہوا ہے انس بن مالکؓ آخری صحابی ہیں ۱۱۰ھ میں وفات ہوئی، ان کے لیے حضورؐ نے لمبی عمر اور اولاد زیادہ ہونے کی دعا فرمائی تھی، کہتے ہیں کہ ایک سو بیس اولادوں کو تو اپنی زندگی میں دفن کیا ہے اور باقی جو زندہ تھے ان کا تو حساب ہی نہیں ہے یہ تو ہم لوگ کہتے ہیں کہ آبادی زیادہ ہوگئی تو کیا کریں گے، **نعوذباللہ من ذالک**، پھر اس کے بعد کا زمانہ تابعین کا ہے کہ جس نے ایمان کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا وہ صحابی ہے اور جس نے ایمان کی حالت میں صحابی کو دیکھا وہ تابعی ہے اور پھر ''ثم الذین یلونھم''، یعنی اس کے بعد کا دور، تبع تابعین، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ تابعین ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ تبع تابعین ہیں اس لیے کہتے ہیں کہ شریعت کی تدوین کا دور تبع تابعین پر آ کر مکمل ہوگیا، اس کے بعد کے ادوار کو قرنِ خیر نہیں کہا گیا۔ اس کے بعد پورا دور خیر والا نہیں البتہ اشخاص خیر والے ہیں، کچھ جماعتیں، کچھ لوگ خیر و برکت والے ہیں مگر پورا دور نہیں۔ اس لیے کہتے ہیں کہ اجتہاد مطلق کا دروازہ بند ہے، اجتہاد مطلق ان چار اماموں کی

تعلیمات کی شکل میں مکمل ہوگیا ہے۔آج کل کے نئے مسائل کو ان ہی کے اصولوں کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے۔اجتہادِ مطلق براہ راست قرآن وحدیث سے استنباط کرنے کو کہتے ہیں۔قرآن کی وہ تشریح جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہوئی ہے اور حدیث کی شکل میں ہمارے پاس ہے اور حدیث کی جو تشریح صحابہ کرامؓ نے فرمائی ہے وہ ہے تعاملِ صحابہ، کہ صحابہ کے عمل کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے،قرآن کی آیات، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور تعاملِ صحابہؓ کو لے کر اماموں نے جو اس پر غور کیا تو اس سے فقہ مرتب ہوا، اور یہ شریعت کا حرفِ آخر ہے، اس پر بات مکمل ہوگئی ہے

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ٥(النحل۔۴۴)

ترجمہ: اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ان سے ظاہر کردیں اور تاکہ وہ فکر کیا کریں۔

کہ تم پر یہ نصیحت اور کلام نازل کیا گیا ہے تاکہ اس کو تو بیان کرے لوگوں کے لیے،'' تو گویا قرآنِ پاک کی تشریح اور بیان کا حق قرآنِ پاک نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے، چودھویں صدی کے کسی آدمی کو نہیں دیا۔مسٹر پرویز نے دعویٰ کرلیا کہ چودھویں صدی کے لیے جدید تشریح ہونی چاہئے(نعوذباللہ) اور تشریح جو میں نے (پرویز نے) لغت بنائی ہے اس کی روشنی میں ہوگی، نہیں اس کا حق قرآن نے فقط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ ''تاکہ تو بیان کرے اس چیز کو جو کہ لوگوں کے لیے نازل ہوئی ہے''، آپؐ کا یہ بیان کرنا حدیث ہے، لَعَلَّکُمْ یَتَفَکَّرُوْن، تاکہ اس کی روشنی میں یہ بھی فکر کریں'' تو اس میں آئمہ مجتہدین کی فکر کی گنجائش رکھی گئی۔ بعد میں جلال الدین سیوطیؒ بہت پائے کے عالم گزرے ہیں کہ ہر علم میں امام ہیں، ہر علم پر حاوی اور علوم کے بعد اس قدر مجاہدات کئے ہوئے کہ باطن روشن، اللہ تعالیٰ کے تعلق والا آدمی کہ غالباً ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کو بیداری کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے، انھوں نے دعویٰ کیا کہ پانچواں فقہ میں شروع کروں گا کیونکہ میں بھی اجتہاد کے کمال پر پہنچا ہوا ہوں۔اس دور کے علماء نے کہا کہ جو مجتہد ہوا کرتا ہے اس کی ایک سطح ہوتی ہے، لہٰذا ان کو اس سطح کے کچھ سوالات لکھ کر بھیجے ان کے جواب میں انھوں نے کہا کہ میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ امام یہی چار ہیں میں پانچواں امام نہیں ہوسکتا ہوں۔تفسیر جلالین جو علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ جتنے ایک آیت میں الفاظ ہیں اتنے ہی الفاظ میں اس کی تفسیر لکھی ہوئی ہے اور جتنی ضروری باتیں اس آیت کے

بارے میں ہیں سب کی سب اس تفسیر میں آئی ہوئی ہیں اس کے جس پہلو کی آپ تشریح کریں تو پھر کتابوں کی کتابیں نکلتی ہیں لیکن انھوں نے ان ہی الفاظ میں مسئلہ حل کیا ہوا ہے، پھر اردو ترجمہ وتفسیر میں شاہ عبدالقادرؒ کا کمال ہے جس کو شیخ الہندؒ نے دوبارہ نئی اردو میں ترجمہ شیخ الہندؒ کی شکل میں ڈھال دیا ہے، مولانا مفتی شفیعؒ نے پھر اپنا ترجمہ نہیں کیا اور معارف القرآن میں اسی ترجمہ کو لیا ہے، حالانکہ وہ خود بہت اونچی سطح کے عالم تھے، کہتے تھے کہ اس میں شاہ عبدالقادرؒ نے بہت محنت کی ہوئی ہے اس کے بعد شیخ الہندؒ نے جدید اردو میں بہت محنت کی ہے لہذا اس کے بعد مزید ضرورت نہیں ہے۔

پچھلے ماہ رسالہ ''غزالی'' میں حضرت جنید بغدادیؒ کا واقعہ لکھا ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ نے ایک رات کو بارگاہ خداوندی میں التجا کی کہ اے اللہ مجھے یہ بتادے کہ بہشت میں میرا یار ومصاحب کون ہوگا، آواز آئی فلاں چرواہا۔ حضرت جنید بغدادیؒ اس چرواہے سے جاکر ملے اور کئی دن اس کا حال دیکھنے کے بعد پوچھا: تم پنج وقتہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے ہو اس کے سوا کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو اس قدر قبولیت کا باعث ہو، شاید یہ اعلیٰ مرتبہ جو تمھیں ملا ہے وہ تمہارے کسی باطنی معاملہ کے سبب سے ہے۔ چرواہے نے جواب دیا کہ اے خواجہ جنید! میں ایک جاہل آدمی ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ معاملہ کس کو کہتے ہیں اور باطن کیا ہوتا ہے، البتہ مجھ میں دو خصلتیں ہیں ایک یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ ان سب پہاڑوں کو سونے کا کردے اور میرے قبضۂ تصرف میں ہوں، اور وہ سب میرے پاس سے جاتے رہیں تو مجھ کو ان کے نہ ہونے کا رنج وغم نہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی مجھ پر جفا کرے یا مجھ سے احسان ووفا کرے تو میں وہ جفا ووفا اس کی طرف سے نہیں جانتا بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانتا ہوں۔ یہی تو باطن کی وہ دو صفات وکمالات ہیں جو اس کو حاصل ہیں۔

ہمارے ایک نیم مجذوب بزرگ ہیں وہ بڑی عجیب وغریب باتیں کیا کرتے ہیں ایک دن آئے مجھے اور عالمگیر صاحب کو پکڑا اور گاڑی میں بٹھا کر پشاور شہر سے نکل کر کافی دور بیابانوں میں ایک اینٹوں کے بھٹہ پر لے گئے وہاں ایک جھونپڑا نما گھر اور مسجد تھے، وہاں بیٹھ کر انھوں نے کہا کہ فلاں کو لے کر آؤ، جب ان کو بلا کر لے آئے تو ان سے پوچھا کہ آپ کی گائے نے بچہ دیا ہے کہ نہیں، آپ کی مرغیاں ٹھیک ہیں کہ نہیں، پھر پوچھا کہ حال آسودہ ہے کہ نہیں۔ یہ مجذوب بڑے دعا والے اور فکر والے بزرگ تھے کہ ہر کسی کے لیے آکر دعا کرتے۔ بھٹہ والے شخص نے کہا کہ آپ کھانا کھائیں گے، تو ان مجذوب بزرگ نے کہا کہ ہاں کھائیں گے، وہ شخص دو خشک روٹیاں لے کر آیا۔ مجذوب صاحب نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم سب کو تقسیم کیں، پھر اس آدمی سے باتیں

کروائیں۔ اینٹیں بنانے والا مزدور، اس نے جو اپنی سادہ دیہاتی زبان میں معرفت کی باتیں کیں تو اس دن اندازہ ہوا کہ اللہ کی معرفت جو ہے وہ صرف ونحو اور منطق پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ تو چیز ہی کچھ اور ہے۔ صرف، منطق اور معانی پڑھنا نعوذ باللہ بیکار نہیں ہے، اس کا پورا اجر وثواب ہے۔ تو اس شخص کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔

بس بھائی وقت تھوڑا ہے منزل بڑی قریب ہے زندگی پر فوری نظر ثانی کی ضرورت ہے اور اپنے آپ کو آخرت کے سفر کے لیے تیار کرنا ہے۔ اس پر غور فرمائیں۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۴ سے)

حفظ قرآن کے مستقل مدارس:

جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد یہ ٹھہرایا کہ وہ قرآن مجید کی درس وتدریس کی بہترین درس گاہیں ہوں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم وتعلم کے لئے مستقل مدارس قائم کرنے کی سنت بھی رکھی۔ چنانچہ مخرمہ بن نوفل کے مکان کو دار القراءُ (یعنی قاریوں کے لئے مدرسہ) مقرر فرمایا۔ (الکتانی :الترتیب الادریۃ ۱:۴۲)

عبد اللہ بن ام مکتومؓ الاعمیٰ القرش العامری جب غزوۂ بدر سے تھوڑی مدت کے بعد مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے تو آپؓ اسی مکان میں ٹھہرے تھے۔ (الاستیعاب ۱:۳۳۷) نیز ابو ہریرۃؓ سے گزشتہ مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد **"وَمَا اجتمع قومٌ فی بیتٍ من بیوت اللّٰہ"** ہر اس جگہ کو شامل ہے جہاں قرآن مجید کی درس وتدریس ہوتی ہو خواہ وہ جگہیں مساجد ہوں یا غیر مساجد۔ جیسا کہ ملا علی قاری نے اس کی تشریح میں کہا ہے:

" والعدول عن المساجد اِلٰی بیوتِ اللّٰہ یشتمل کل ما یبنی تقربا الی اللّٰہ من المساجد و المدارس و الربط (مرقاۃ المصابیح ۱ : ۳۷۱)

(باقی آئندہ)

☆☆☆☆☆

انجینئر قیصر علی

سفرنامہ چین

۳ تا ۱۵ نومبر ۲۰۰۳ چین کے شہر بیجنگ میں ترقی پذیر ممالک کے لئے بین الاقوامی تربیتی کورس منعقد ہوا۔ جس کا عنوان تھا " زلزلوں سے ہونے والی تباہ کاریاں اور اُن کا تدراک"۔ پاکستان سے شرکت کرنے والوں میں میرے علاوہ دو اور حضرات بھی تھے۔ جن کا تعلق کمیشن برائے ایٹمی توانائی Atomic Energy Comission سے تھا۔ پاکستان کے علاوہ چھ ممالک ہندوستان، قازقستان، سری لنکا، ویتنام، منگولیا اور مقدونیہ سے بھی لوگ شریک ہونے آئے تھے۔

دنیا میں واقع ہونے والے بڑے بڑے زلزلوں میں سے کئی ایک چین میں گزرے ہیں۔ اور اب تک زلزلوں میں سب سے زیادہ اموات بھی چین میں ہی ہوئی ہیں۔ ہلاکتوں کے اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا زلزلہ 1556ء میں چین کے شہر Shensi شنسی میں آیا۔ جس میں تقریباً 10 لاکھ کے قریب اموات ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ اور جاپان کے علاوہ چین میں بھی زلزلوں پر کافی تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ یہ کورس بھی اس سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ جس کا مقصد ترقی پذیر ممالک کو اپنے تحقیقی کام سے آگاہ کرنا، معلومات کا تبادلہ کرنا اور مستقل بنیادوں پر باہمی تعاون کے لیے رابطے بڑھانا تھا۔

ہمیں 2 نومبر کو بیجنگ پہنچنا تھا۔ مجھے اپنی یونیورسٹی کے ایک پروفیسر صاحب جو چین سے Ph D کر چکے تھے، نے مشورہ دیا کہ چین کا ویزہ لگانا اتنا مشکل کام نہیں۔ صرف ایک ہفتے پہلے چلے جاؤ ویزہ لگ جائے گا۔ میں نے ان کی بات مان لی۔ ویزے کے لئے جو کاغذات مجھے چینی محکمہ برائے قدرتی آفات نے فیکس کئے تھے، اسلام آباد میں چینی سفارتخانے کے ویزہ افسر نے اُنھیں ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ آپ چینی محکمہ کو کہیں کہ آپ کو اصلی کاغذات ڈاک کے ذریعے بھیجیں۔ اب اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ مجھے ڈاک کے ذریعے کاغذات بھیجتے۔ بہر حال میں نے اُن کو بذریعہ ای میل اطلاع کر دی۔ اُنھوں نے یہ مہربانی کی کہ سفارتخانے کو میرے ویزے کے متعلق ٹیلی فون کیا اور مجھے ای میل کے ذریعے اطلاع کر دی جس کے بعد میرا ویزہ لگ گیا۔ یہاں یہ واقعہ لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر وقت پر ویزے کے لئے جاتا تو اتنی پریشانی نہ اٹھانا پڑتی، ہر کام خود تحقیق کر کے وقت سے پہلے کرنا چاہئے تھا اور یہی تھا نوی سلسلے کا سبق ہے۔

ویزہ لگانے کے سلسلے میں جب اسلام آباد پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اسلام آباد میں کنونشن سنٹر کے قریب ایک بہت بڑے پارکنگ ایریا میں لمبی لمبی لائنیں لگی ہوئی ہیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ پچھلے سال غیر ملکی

سفارتخانوں کے قریب چرچ پر ہونے والے حملے کے بعد بغیر تلاشی کے کسی کو یہاں سے آگے جانے کی اجازت نہیں۔ایک سٹال میں لوگ ٹکٹ لے کر اپنا سامان بیگ وغیرہ جمع کرار ہے تھے کیونکہ یہاں سے آگے پلاسٹک کے تھیلے کے علاوہ اور چیز لے جانے کی اجازت نہیں تھی۔لوگ اپنے کاغذات اور پاسپورٹ تھیلے میں رکھ کر قطار میں کھڑے تھے۔قطار میں کھڑے ہونے کے بعد لوگ اپنی اپنی باری پر کوسٹروں میں سوار ہو کر متعلقہ سفارتخانے جارہے تھے۔کوسٹر میں بیٹھنے کے لئے الگ ٹکٹ خریدنا پڑتا تھا۔گو کہ اکتوبر کے مہینے میں اسلام آباد میں اتنی گرمی نہیں ہوتی لیکن پھر بھی لمبی لائنوں میں کھڑے بوڑھے بچوں اور خواتین کا بُرا حال تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر ایک ٹکٹ کرسیوں پر بیٹھنے کا، ایک سائے کا، ایک پانی کا اور ایک ٹائلٹ کا بھی ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔لوگوں کو روزگار، حکومت کو پیسے اور ویزے کے لئے آنے والے امیدواروں کو سہولت مل جاتی۔اللہ کرے کہ میری یہ بات کسی دردمند دل میں سما جائے تو یہ مسئلہ حل ہو۔

خدا خدا کر کے میں بھی کوسٹر میں سوار ہوا۔چینی سفارتخانے جاتے ہوئے جب امریکی ایمبیسی کے قریب سے گزرے تو دیکھا کہ ہر طرف سیکیورٹی والے کھڑے ہیں، جیسا کہ ابھی القاعدہ کی طرف سے حملہ ہورہا ہو۔اسکے برعکس چینی سفارتخانے پر دو سیکورٹی آدمی کھڑے تھے لوگ بالکل آزادانہ اندر باہر آ جارہے تھے۔یہ تماشہ دیکھ کر مجھے حضرت عمرؓ کا واقعہ یاد آیا کہ اُن سے ملنے کے لئے ایک عیسائی قاصد آیا آپؓ کو ریت کے ٹیلے پر بغیر کسی محافظ کے دیکھ کر کہا کہ آپ نے انصاف کیا ہے اس لئے بغیر محافظ کے بے خوف وخطر آرام فرمارہے ہیں۔امریکہ نے پوری دنیا کے مسلمانوں کا جینا دوبھر کر رکھا ہے جسکی وجہ سے خود بھی پریشان ہے اور پوری دنیا کے اندر امریکی عوام اور املاک کو جتنا خطرہ آج ہے پہلے کبھی نہیں تھا۔اور اسکی اصل وجہ امریکہ کی دوغلی پالیسیاں ہیں۔اس کے برعکس چین کی سیاسی پالیسی غیر جانبدارانہ ہے جسکی وجہ سے پوری دنیا میں چین اور چینی عوام کو محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

2 نومبر کو میری فلائٹ رات کے 11:00 بجے اسلام آباد کے بین الاقوامی ائیر پورٹ سے روانہ ہونی تھی۔چینی کورآڈینیٹر نے اطلاع دی تھی کہ بیجنگ میں کافی سردی ہے۔لہذا میں نے گرم کپڑے اور جیکٹ وغیرہ ساتھ لئے ہوئے تھے۔ایک لیپ ٹاپ کمپیوٹر اور کچھ کتابیں بھی تھیں۔سامان کافی تھا میں سوچ رہا تھا کہ اگر ٹیکسی میں جاؤں گا تو خواہ مخواہ 1500 روپے دینا پڑیں گے۔ایک دفعہ چونکہ پہلے ڈائیو بس سروس میں سامان سے لدا ہوا جا چکا تھا لہٰذا اسی میں جانے کا فیصلہ کرلیا۔پشاور سے 3:00 بجے روانہ ہوا، افطاری

ساتھ لے لی، 5:00 بجے اسلام آباد پہنچا۔ راستہ ہی میں افطاری کر لی اور ڈائیو بس سٹینڈ پہنچ کر لاؤنج میں بیٹھ کر آرام سے کھانا کھایا، نماز پڑھی اور چائے پی لی اور پھر 6:30 بجے ائر پورٹ روانہ ہوا۔ ڈائیو بس سروس میں ایک خرابی ہے کہ اس میں خواتین عملہ سواریوں کو پانی وغیرہ پیش کرتا ہے۔ لیکن میرا ذاتی خیال ہے کہ دوسری پرائیویٹ بسوں اور کوچوں میں بیٹھ کر اپنی بے عزتی کرا کر اور بے ہنگم موسیقی سے لطف اندوز ہونے سے بہتر ہے کہ بندہ اپنی آنکھ کی حفاظت کرتے ہوئے ڈائیو میں سفر کرے۔ کیونکہ ایک تو اس میں سامان محفوظ ہوتا ہے اور اگر ڈرائیور سے بات کی جائے تو نماز کے لئے گاڑی رکوا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ پاکستان میں ہر جگہ ایسی سہولت والی سواریاں ہوں اور اللہ کرے کہ ان میں میزبان عورتیں بھی نہ ہوں۔ ائر پورٹ پہنچا ائر پورٹ کی بڑی مسجد میں عشاء کی نماز کے لئے جماعت تیار تھی لہٰذا اپنا سامان آگے کی صف میں لے جا کر اپنے سامنے رکھ کر جماعت میں شامل ہوا۔ کیونکہ ابھی جہاز اُڑنے میں کافی وقت تھا لہٰذا تراویح بھی پڑھ لی۔ 8:00 بجے فارغ ہوا اپنا سامان اُٹھا کر ائر پورٹ میں داخل ہوا۔ جب (Departure Flight) جانے والے جہازوں کا معلوماتی بورڈ دیکھا تو اس میں بیجنگ کا نام نہیں تھا۔ میں نے جلدی سے ٹکٹ نکال کر دیکھا تو تاریخ یہی تھی۔ PIA کاونٹر پر کھڑے ایک صاحب سے پوچھا تو اس نے کہا کہ جہاز بیجنگ سے ٹوکیو جائے گا لہٰذا یہاں ٹوکیو کی فلائٹ لکھی ہوئی ہے اور مزید آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ جہاز تین گھنٹے لیٹ ہے اور اب 11:00 بجے کی بجائے 1:00 بجے روانہ ہوگا۔ مجھ پر تو بجلی گر گئی کہ 1:00 بجنے میں تو 5 گھنٹے ہیں اب میں کروں گا کیا؟ یہ سوچ ہی رہا تھا کی PIA کا ایک اہلکار میرے قریب آیا اور پوچھا آپ بیجنگ جائیں گے یا ٹوکیو۔ میں نے جواب دیا کہ بیجنگ جاؤں گا۔ اس نے کہا کہ آپ میرے ہمراہ آئیں کیونکہ جہاز تین گھنٹے لیٹ ہے اس لئے ہم نے مسافروں کے بیٹھنے کا بندوبست کیا ہے۔ میں اس کے ساتھ ہولیا۔ سامان کی چیکنگ وغیرہ سے فارغ ہوا۔ تو اُسی آدمی نے میرے قریب آ کر ایک طرف کھڑے چند مرد و خواتین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ کھڑے ہوں میں ابھی آپ سب کو ہوٹل لئے چلتا ہوں تا کہ آپ لوگ کھانا بھی کھالیں اور جہاز اُڑنے تک بیٹھ کر انتظار کریں۔ میں اُن لوگوں کے قریب ہوا تو معلوم ہوا کہ بوڑھے جاپانیوں کا کوئی گروپ ہے اور پاکستان کی سیر کرنے آئے ہیں۔ میرے اندازے کے مطابق ان میں سے کسی کی عمر بھی 70 سے کم نہیں تھی بلکہ 100 کے قریب قریب ہوں گے۔ کیونکہ ان کی شکلیں ائر پورٹ کی مدہم روشنی میں اتنی عجیب لگ رہی تھیں کہ ایک لمحے کے لئے تو میں ڈر گیا اور یہ خیال آیا کہ کہیں میں خواب تو نہیں

دیکھ رہا۔ میں سوچنے لگ گیا کہ ہمارے بزرگوں کی شکلیں بڑھاپے میں کتنی پیاری ہوتی ہیں۔ جتنے بوڑھے ہوتے جاتے ہیں اُن کے چاہنے والے بڑھتے جاتے ہیں۔ ہرکوئی چاہتا ہے کہ خدمت کریں اور ایک یہ بوڑھے ہیں کہ جن کو دیکھ کر ڈر لگتا ہے۔

اِن بوڑھوں پر ایک واقعہ یاد آیا جو میرے بھائی ڈاکٹر اسحاق نے سنایا۔ اُن کے تین ڈاکٹر دوست 'پاونڈ' کمانے کے چکر میں برطانیہ چلے گئے۔ اُن میں سے ایک کہہ رہا تھا کہ جب تین مہینے میں ہمیں کسی نے پوچھا تک نہیں تو ایک دن میں اپنے بستر پر لیٹا دل ہی دل میں اپنی وطن کی خوبیاں اور برطانیہ کی برائیاں گن رہا تھا اور اپنے وطن کے 6000 روپے گزارہ وغیرہ وغیرہ سوچ کر اپنے آپ کو تسلیاں دے رہا تھا اور وہ سب کچھ سوچ رہا تھا جو ایک دل برداشتہ آدمی سوچ سکتا ہے۔ اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، کوئی خاتون بول رہی تھی کیا آپ نے نوکری کے لئے درخواست دی تھی؟ ہاں میں نے فوراً جواب دیا۔ آپ کل انٹرویو کے لئے آجائیں ہمارے پاس آپ کیلئے بہت اچھی آفر ہے۔ 2000 پونڈ اور صرف چار گھنٹے نوکری، کھانا اور رہائش بھی فری ہوگی۔ اگر آپ اپنی جاب والی جگہ پر ٹھہرنا چاہتے ہیں تو وہاں اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی لے آئیں ہم آپ سب کو جاب دیں گے۔ یہ باتیں سُن کر میں ہکا بکا رہ گیا۔ آخر ہم گنہگار بھی تو اُسی اللہ کے بندے ہیں۔ آخر اس نے ہماری بھی سُن لی اور میرے سوچوں اور خیالات کا دھارا ایک دم بدل گیا۔ اب پھر اپنے وطن کی برائیاں اور برطانیہ کی اچھائیاں میرے نظروں میں آنے لگیں۔ یہاں بھی تو مساجد ہیں، یہاں تو پاکستان سے بھی اچھے اچھے مسلمان ہیں انہی خیالات میں سو گیا۔ صبح اُٹھا تو سوچا کہ ساتھیوں کو بتاؤں کہ نہ بتاؤں۔ ایسا نہ ہوں کہ پوسٹیں کم ہوں اور مجھے ان کی وجہ سے جگہ ہی نہ ملے۔ گو کہ خاتون نے ٹیلی فون پر کہا تھا کہ سب کو نوکری دیں گے لیکن ان گوروں کا کیا پتہ! ایسا نہ ہو کہ مجھے رد کر کے میرے ساتھیوں کو لے لیں۔ کیونکہ مجھے پکا یقین تھا کہ میرے ساتھ کوئی نالائق سے نالائق ڈاکٹر بھی انٹرویو میں مقابلہ کرے تو میں اس کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہوسکتا کیونکہ مجھ سے نالائق نہ میڈیکل کالج میں گزرا ہے اور نہ گزرے گا، انشاءاللہ۔ خیر میں نے ساتھیوں کو نہ بتایا اور اگلی صبح بن ٹھن کے انٹرویو والی جگہ پر پہنچ گیا۔ غالباً وہی خاتون ہونگی جس نے ٹیلیفون کیا تھا۔ جب اُس نے شیشے کی کھڑکی میں مجھے اپنے دفتر کی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تو فوراً دفتر سے باہر آئی میرا استقبال کیا اور دفتر میں ساتھ لے گئی۔ میں اُس کے اخلاق سے دل ہی دل میں متاثر ہوئے بغیر رہ نہ سکا۔ ہمارے ہاں ایسے کہاں ہوتا ہے کہ جاب دینے والے اتنی محبت سے پیش آئیں۔ یہ تو ان ہی کے اخلاق ہیں۔ خاتون نے بیٹھنے کا

کہا تو میں بیٹھ گیا۔اُس نے جلدی جلدی باتیں شروع کیں۔آپ اپنے ساتھیوں کو نہیں لائے۔ہمارے پاس کئی نوکریاں ہیں۔میں نے کہا اُنھیں بھی لاؤں گا لیکن آپ پہلے مجھے تو رکھ لیں۔اُس نے جواب دیا آپ کی نوکری تو پکی ہے گویا آج سے آپ ڈیوٹی پر ہیں۔میں نے کہا کہ آپ مجھے میری ڈیوٹی بتائیں۔''ہاں ہاں آپ کافی پی لیں یہ بھی ہو جائے گا''۔کافی پی کر میں نے پھر پوچھا تو اُس نے ڈاکٹری کے پیشے کی عظمت پر ایک لمبا چوڑا لیکچر دیا پھر میری تعریفوں میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیئے اور پھر کہا کہ کام کچھ بھی نہیں بہت آسان کام ہے 2000 پونڈ تنخواہ ہے اور صرف چار گھنٹے ڈیوٹی ہے۔اگر آپ اِدھر رہنا چاہتے ہیں تو رہائش بھی فری اور کھانا بھی فری۔''وہ تو ٹھیک ہے لیکن ڈیوٹی ہے کیا؟''میں نے پوچھا۔''یہ دراصل بوڑھوں کا ہاسٹل ہے۔ یہاں پر اکثر بوڑھے تو خود ہی اپنا کام کرتے ہیں۔ہم اُن کو صرف کھانا دیتے ہیں اور اُن کے کپڑے مشین میں دھوتے ہیں۔لیکن بعض بوڑھے جب بہت ضعیف ہو جاتے ہیں تو وہ پیشاب پاخانہ کرنے کے بعد اپنے آپ کو صاف نہیں کر سکتے۔آپ کو صرف اُن کو صاف کرنا ہو گا اور بس''، وہ اپنے ہاتھ پر ہاتھ ملتے ہوئے بولی۔'' دھت تیرے کی اب میں یہ کام کروں گا''، چند لمحوں تک میں اپنے حواس میں نہ رہا۔خاتون نے بھی میری خاموشی دیکھتے ہوئے اندازہ کیا کہ شاید جاب پر راضی نہیں ہے۔تو ایک دفعہ پھر ڈاکٹری کے پیشے کی عظمت پر لیکچر دینے لگ گئی لیکن میں اسکے لیکچر کو درمیان میں ہی چھوڑ کر بھاگ آیا اور اپنی جاب کا سوچ کر کئی بار قے کرتے کرتے بچا۔میں نے سوچا کہ یہ بوڑھے تو وہ بوڑھے ہیں جنہوں نے ہم پر حکومت کی ہے، ہمارے بزرگوں کو بے عزت کیا ہے، ہمارے ملک کو لوٹا ہے۔اگر میں نے یہ کام کرنا بھی ہوا تو کم از کم اُن کا تو کبھی نہیں کروں گا۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۳۱ سے)

ڈاکٹر سیّار صاحب نے علاج کی خدمات سرانجام دیں۔ڈاکٹر انور صاحب نے یعقوب خان صاحب کے ڈرائیور سے کہا تھا کہ ان کو احساس دلا دیں کہ ان کا علاج کرنے والا ڈاکٹر حضرت مولانا اشرف صاحب کا مرید ہے۔جب ان کو یہ معلوم ہوا تو انھیں بہت احساس ہوا اور ڈرائیور سے کہا کہ مجھے فوراً مولانا صاحب کی قبر پر لے جاؤ۔قبر پر حاضر ہوئے اور روتے رہے۔ڈرائیور کو دو سو روپے دیے اور کہا کہ ان کی چیزیں خرید کر بچوں میں بطور خیرات تقسیم کر دو۔پھر ایک دو دن بعد ان کی وفات ہو گئی۔

حضرت سید سعید اللہ مدظلہ

حفاظت قرآن مجید (قسط۔ ۳)

۹) تلاوت کی فضلیت اور ترغیب:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ارشادات فرمائے ہیں جن میں نماز کے علاوہ قرآن مجید کے سیکھنے سکھانے ، یاد کرنے اور کروانے اور اس پر مداومت اختیار کرنے کی ترغیب اور اس کے ترک کرنے پر ترہیب ہے۔ جیسا کہ حضرت عثمانؓ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے

خیر کم من تعلم القرآن و علمه (صحیح بخاری)

ترجمہ: تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن مجید سیکھے اور سکھائے۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

تعلموا القرآن فاقرء وه فان مثل القرآن لمن تعلم فقرء و قام بہٖ کمثل جراب محشو مسكاتفوح ريحه كل مكان و مثل من تعلمه' فرقد و هوفی جوفہٖ کمثل جراب و کیء علٰی مسکٍ (مشکوٰۃ المصابیح مع مرقاۃ ۴: ۳۱۲

ترجمہ: قرآن مجید سیکھو پھر اس کو پڑھو اس لئے کہ جو شخص قرآن مجید سیکھتا ہے اور پڑھتا ہے اور تہجد میں اس کو پڑھتا رہتا ہے اسکی مثال اس تھیلی کی سی ہے جو مشک سے بھری ہوئی ہو کہ اس کی خوشبو تمام مکان میں پھیلتی ہے اور جس شخص نے سیکھا اور پھر سو گیا اس کی مثال مشک کی اس تھیلی کی سی ہے جس کا منہ بند کر دیا گیا ہو

علی بن سلطان القاری الھر دی نے **تعلموا القرآن** کی تشریح میں لکھا ہے **ای لفظه و معناه** یعنی اس کا لفظ اور معنیٰ سیکھو۔ اور زرکشی نے کہا ہے **اذالم یکن فی البلد او القریة من يتلوا القرآن اثموا باسرهم** ترجمہ: جب کسی شہر یا گاؤں میں ایسے شخص نہ ہوں جو قرآن مجید کی تلاوت کریں تو سب گناہ گار ہو جاتے ہیں۔

ملا علی قاری نے الزرکشی کے اس کلام کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے۔ **وظاهر كلام الزركشی ان كل بلدٍ لابد فيه ان يكون من يتلو القرآن فی الجملة لان تعلم بعض القرآن فرض عين على الكل ، فاذالم يوجد هنالک احد تقرء اثموا جميعًا و ايضاًلا يحصل عدد التواتر الابما قاله الزركشی (ملا علی قاری : مرقاة المصابيح ۴: ۳۲۲)**

ترجمہ: زرکشی کے کلام کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ ہر شہر میں ایسے اشخاص کا موجود ہونا نہایت ضروری ہے جو قرآن

مجید کی تلاوت کرتے ہوں کیونکہ قرآن مجید کے کسی حصے کا سیکھنا سب کے لئے فرض عین ہے۔ جب وہاں پر کوئی ایک شخص بھی ایسا موجود نہ ہو جو قرآن مجید کی قرأت کرتا ہو تو سارے کے سارے گناہ گار ہوں گے۔ نیز تواتر کی گنتی اسی طریقہ سے قائم ہو سکتی ہے جو الزرکشی نے بتائی ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کو قرآن مجید یاد رکھنے کے تاکیدی ارشادات فرمائے ہیں جن کو پورا قرآن یا اس کا کچھ حصہ یاد ہو۔ چنانچہ ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد نقل کیا ہے

:تعاهدو القرآن فو الذی نفسی بیده لهو اشد تفصیاً من الابل فی عقلها (صحیح مسلم ۱:۲۶۸)

ترجمہ: قرآن مجید کی خبر گیری کیا کرو۔ پس قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے کہ قرآن مجید نکل جانے والا ہے سینوں سے بہ نسبت اونٹ کے اپنی رسیوں سے۔

اور بھول جانے پر تہدید فرمائی ہے جیسا کہ حضرت انسؓ نے حضوا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

عرضت علی ذنوب امتی فلم ار ذنبا اعظم من سورة من القرآن او آیةٍ اوتیها رجل" ثم نسیها (مشکوٰة المصابیح: باب المساجد و مواضع الصلوٰة) (رواه الترمذی)

ترجمہ: میرے سامنے میری امت کے گناہ پیش کئے گئے تو میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ ایک شخص کو قرآن مجید کی کوئی سورۃ یا آیت یاد ہو پھر اس نے اس کو بھلا دیا ہو۔

۱۰) مساجد کی مرکزی تدریسی حیثیت:

جیسا کہ نماز میں قرآن مجید کی قرأت کو فرض کر دیا گیا اور نماز کے علاوہ اس کی قرأت کی ترغیب دی گئی۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد کے اغراض میں سے ایک غرض یہ مقرر فرمائی کہ مساجد قرآن مجید کی تعلیم اور تعلیم کے مدرسے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے صفہ کو قرآن مجید کے درس و تدریس کے لئے مقرر فرمایا۔ جس میں فقرأ مہاجرین میں سے تقریباً چار سو صحابہ کرامؓ (مرقلة المصابیح ۱:۹) موجود ہوتے جو رات دن قرآن مجید کی درس و تدریس میں مشغول رہتے (ایضاً ۳:۸) حضرت ابوہریرہؓ ان کے نگران ہوتے۔ (البغوی: معالم التنزیل ۱:۲۹۴) اصحاب صفہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ جب باہر سے کوئی جماعت آتی اور ان سے مل جاتی تو ان کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا اور جب ان میں سے کوئی جماعت جہاد یا قرآن مجید کے سکھانے کے لئے نکلتی تو ان کی تعداد میں کمی آجاتی۔ (الجمل : الفتوحات الالهیة ۱:۲۲۶)

ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں: (جلست فی عصابةٍ من ضعفاء المھا جرین (یعنی اصحاب الصفة) (مرقاة المصابیح ۵ :۷)وان بعضھم لیستتر ببعض من العری وقارئ یقرءُ علینا اذ جاءَ رسول اللّٰہ ﷺ فقام علینا فلما قامرسول اللّٰہ ﷺ سکت القاریءُ فسلم ثۃ قال : ماکنتم تصنعون؟قال کنا نستمع الٰی کتاب اللّٰہ فقال الحمد للّٰہ الذی جعل من امتی من امرت ان اصبر نفسی معھم . قال فجلس و سطنا لیعدل بنفسہٖ فینا ثم قال بیدہٖ ھٰکذا فتحلقوا وبرزت وجوھھم فقال ابشروایامعاشر صعالیک المھاجرین بالنورالتام یوم القیمة تدخلون الجنة قبل اغنیاء الناس بنصف یوم و ذٰلک خمسر مائة سنة (سنن ابوداؤد ۲ :۱۶۰)

ترجمہ: میں ضعفاء مہاجرین کی جماعت (یعنی اصحاب صفہ) میں بیٹھا ہوا تھا۔ان لوگوں کے پاس اتنا کپڑا بھی نہ تھا کہ جس سے پورا بدن ڈھانپ لیں۔بعض لوگ بعض کی اوٹ کرتے تھےاورایک ہم پر قرآن مجید کی تلاوت کرر ہا تھا کہ اتنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور بالکل ہمارے قریب کھڑے ہوگئے۔حضور نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر قاری خاموش ہوگیا۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے السلام علیکم فرمایا اور پھر دریافت فرمایا کہ تم لوگ کیا کرر ہے تھے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم اللہ کی کتاب (قرآن مجید) سن رہے تھے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے واسطے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ مجھے ان میں ٹھرنے کا حکم فرمادیا۔اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان میں تشریف فرما ہوئے کہ سب کے برابر رہیں اور کسی کے قریب اور کسی سے دور نہ ہوں۔ اس کے بعد سب کو حلقہ بنا کر بیٹھنے کا حکم فرمایا۔سب لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کرکے بیٹھ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے فقراء مہاجرین تم کو خوشخبری ہو قیامت کے دن نورِکامل کی اوراس بات کی کہ تم جنت میں دولتمند لوگوں سے آدھا دن پہلے داخل ہوجاؤ گے اور یہ آدھا دن پانچ سو برس کے برابر ہوگا۔

عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ ہم لوگ صفہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ تم میں سے کون شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ صبح سویرے بازار بطحان یا عقیق جائے اوراپنے ساتھ بڑے کوہان کی دواونٹیاں بغیر کسی گناہ اور بغیر کسی ناتے کوتوڑنے کے پکڑ کر لائے۔ہم نے عرض کیا یارسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ہر شخص اس بات کو پسند کرے گا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **افلا یغدو احد کم الی المسجد فیعلّم او یقرءُ اٰیتین من کتاب اللّٰہ خیر من ناقتین و ثلاث خیر لہٗ من ثلاث و اربع خیر لہٗ من اربع و من اعداد ھنّ من الا بل** (صحیح مسلم ۱ : ۲۷۰)

ترجمہ: کیا تم میں سے ایک شخص مسجد کی طرف نہیں جاتا کہ وہ قرآن مجید کی دو آیتیں پڑھے یا سکھائے وہ اس کے لئے دو انٹنیوں سے بہتر ہیں اور تین آیات اس کے واسطے تین اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور چار آیات اس کے واسطے چار اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور اس کے سوا آیتوں کی گنتی اونٹنیوں کی گنتی سے بہتر ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک طویل حدیث میں یہ ارشاد نقل کیا ہے:

وما اجتمع قوم فی بیتٍ من بیوت اللّٰہ یتلون کتاب اللّٰہ و یتد ارسونہ بینھم الاّ نزلت علیھم السکینۃ و غشیتھم الرحمۃ و حفتھم الملئکۃ و ذکرھم اللّٰہ فیمن عندہٗ (صحیح مسلم ۲: ۳۴۵) ترجمہ: کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں اکٹھی ہو کر اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت اور اس کا دور نہیں کرتی مگر ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ رحمت کے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کا ذکر فرشتوں میں فرماتا ہے۔ ملا علی قاری نے آپ ﷺ کے اس قول **و یتدارسونہٗ بینھم** کی تشریح یوں کی ہے **والتدارُسُ قراءۃ بعضھم علٰی بعض تصحیحاً لا لفاظہ او کشفاًلمعانیہ کذا قالہٗ عبد الملک ویمکن ان المراُدُبا لتدارس المدارسۃ المتعارفۃ بان یقرءَ بعضھم عشراً مثلاً و بعضھم عشراً اٰخروھٰکذافیکون اخصّ من التلاوۃ اومقابلاً لھا و الاظھر انہ شامِل لجمیع ما یناط بالقراٰن من التعلیم و التعلم** (ملا علٰی قاری : مرقاۃ المصابیح ۱ : ۲۷۰) ترجمہ: تدارس (یتدارسونہ) کا مطلب ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے سامنے پڑھے تاکہ اس کے الفاظ کی تصحیح ہوجائے یا اس کے معنی واضح ہو جائیں۔ عبدالملک نے یہی مطلب لیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تدارس سے مراد وہ طریقہ ہو جو آج کل متعارف ہے۔ اِن میں سے کوئی ایک مثلاً دس کو پڑھائے اور کوئی دوسرا مزید دس کو اسی طرح (دس دس کی ٹولیاں بنا کر ایک ایک شخص ان کو پڑھائے) تو یہ تلاوت سے خاص ہوگا یا اس کا بالمقابل۔

اور ظاہر یہی ہے کہ **یتدارسونہ بینھم** تمام ان ذرائع کو شامل ہے جن پر قرآن مجید کی تعلیم و تعلم کا دارومدار ہے۔ (باقی صفحہ نمبر ۱۵ پر)

''ضرورت بیعت وآداب مریدی''

بعض لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم مانے لیتے ہیں کہ اہل اللہ سے زمانہ کبھی خالی نہیں ہوتا۔مگران کا پتہ چلانا بہت دشوار ہے۔مکاراور گندم نما جوفروش لوگوں نے اس کثرت سے پیری مریدی کی دکانیں کھول رکھی ہیں کہ حق و باطل میں امتیاز کرنا مشکل ہوگیا ہے۔انتخابِ شیخ کے لیے بڑی بصیرت کی ضرورت ہے، جو مبتدیوں کے زمرہ میں بھی داخل نہ ہوا ہو وہ اصل کو نقل سے کیونکر جدا کرسکتا ہے اور دیدہ ودانستہ اپنے دین و ایمان کو ایک مشکوک اور نا قابل اعتماد شخص کی حفاظت میں کیسے دے سکتا ہے۔یہ بالکل سچ ہے،مگر مکاری اور گندم نما جوفروشی کا دور دورہ تو آج کل بہت ہی عام ہے، زندگی کا کوئی شعبہ ان مشکلات سے خالی نہیں، اطباء کے جھوٹے اشتہارات کی وہ کثرت ہے کہ سچے اور جھوٹے میں تمیز کرنا دشوار ہے۔اشیائے ضروری کی خرید و فروخت میں بے ایمانی اور بدمعاملگی کو اس درجہ دخل ہوگیا ہے کہ بڑے بڑے تجربہ کار اور ہوشمند بھی چرکے پر چرکے کھا رہے ہیں۔بڑے اور متمدن شہروں میں تو دکانوں پر کھانے پینے کی چیزیں مثلاً خالص گھی یا خالص دودھ کا ملنا تقریباً محال ہوگیا ہے۔بعض بڑے بڑے مہذب تاجروں کے متعلق اس قسم کی شکایات اکثر سننے میں آیا کرتی ہیں کہ نمونہ تو اعلیٰ دکھلایا گیا مگر مال ادنیٰ دے دیا گیا۔باوجود ان دقتوں کے اور باوجود ان بدمعاملگیوں اور دغابازیوں کے کوئی کہہ سکتا ہے کہ کتنے لوگ ایسے ہیں جو ضرورت کے وقت اطباء سے گریز کرنے لگے ہوں، یا جنھوں نے گھی کے استعمال کو ترک کردیا ہو، یا بغیر دودھ کے چائے پینے کا اپنے کو عادی بنا لیا ہو۔کتنے لوگ اس ملک میں ایسے نکلیں گے جنھوں نے محض تاجروں کی بددیانتی کے خوف سے بازار کا جانا آنا اور اشیاء ضروری کا خریدنا بند کردیا ہو۔بلکہ جب کسی طبیب کی ضرورت پیش آتی ہے تو پوری سعی کام میں لاکر اپنے اطمینان کا کوئی نہ کوئی طبیب ڈھونڈ ہی نکالا جاتا ہے۔کوئی ضرورت سامنے آتی ہے تو خوہ کتنی ہی دشواریوں اور رکاوٹوں کا مقابلہ ہو کوئی نہ کوئی سبیل اس کے رفع کرنے کی پیدا کرہی لی جاتی ہے۔ضرورت اور اس ضرورت کا احساس پیدا ہونا شرط ہے۔امورِ دنیا میں حصولِ مقصد کے لیے بڑی سے بڑی رکاوٹ بھی سدِّ راہ نہیں ہوتی، مسلسل ناکامیاں بھی سعی لاحاصل کے دست وبازو کو سست نہیں پڑنے دیتیں۔تلاش وانتخاب شیخ ہی ایک ایسی انوکھی ضرورت ہے کہ باوجود اس اعتراف کے کہ اہل اللہ سے زمانہ خالی نہیں کسی کو کوئی تدبیر ہی اس مرحلہ کے طے کرنے کی نظر نہیں آتی۔نفس کی چوریوں کو ذرا ٹٹولا جائے تو واضح ہوجائے گا کہ طلب ہی ناقص ہے، اس ضرورت کو ضرورت ہی نہیں سمجھا گیا۔تلاشِ شیخ کے لیے اتنی بھی زحمت نہیں اٹھائی جاتی جتنی کہ

ایک گمشدہ نوٹ بک کی تلاش میں اٹھائی جاتی ہے۔اس بارے میں جتنے بھی عذر پیش کیے جاتے ہیں سب لنگ ہیں۔

ضرورت شیخ:

سنتُ اللہ یوں ہی جاری ہے اور فطرتِ انسانی اسی طور پر وضع ہوئی ہے کہ جس فن یا جس علم سے انسان نا آشنا ہے اس کے سیکھنے کے لیے وہ ایک استاد کا محتاج ہوتا ہے۔اجنبی ملک میں ناواقف راستہ چلنے والا ایک واقف راہنما کا محتاج ہے۔اس کی ذہانت اور طباعی اور دوسرے راستوں سے آگاہی یہاں مطلق کام نہ دے گی۔ممکن ہے کہ ہزار میں یا دس ہزار میں یا لاکھ میں ایک شخص ایسا بھی نکل آئے جو بلا کسی سے مشورہ لئے ہوئے محض اپنی اٹکل سے کسی نامعلوم میدان میں سے ہو کر گزرے اور منزل مقصود پر پہنچ جائے، مگر ایسی صورتیں مستثنیات میں شمار ہوں گی، جن کا وقوع کلیہ کو ہرگز نہ توڑے گا۔

معدودے چند مستثنیات کی بناء پر کوئی عقلمند شخص اپنے کسی دوست کو یہ مشورہ کبھی نہ دیگا کہ تم جس ملک کے جغرافیہ سے ناواقف ہو اس میں سفر کرتے وقت کسی رہنما سے مدد نہ لینا خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ اس ملک میں راستے پر خطر ہوں اور چور، رہزن، شیر، بھیڑیوں کا خوف ہو۔عقلمند خیر خواہ تو اس موقع پر بھی یہی کہے گا کہ

قطع این مرحله بے ہمرہی خضر مکن
ظلمات است بترس از خطر گمرہی

محسوسات میں جب رہبر کے بغیر چارہ نہیں تو روحانیات میں جو کہ حواس خمسہ کہ زد سے باہر ہیں بلا رہبر کے کیسے کام چل سکتا ہے۔

علاوہ رہنمائی کے صحبت کے قوی اثرات کا بھی سالک از حد محتاج ہوتا ہے۔ صحبت کے اثر سے جب جانور تک متاثر ہوتے ہیں تو انسان کیوں نہ بدرجہ اولیٰ متاثر ہوگا۔صحابہ کرام آپس میں ایک دوسرے سے کہا کرتے تھے "اجلس بنا نومن ساعة" یعنی ہمارے ساتھ ذرا بیٹھو تا کہ ایمان تازہ کریں۔مولانا روم فرماتے ہیں،

یک زمانه صحبتے با اولیاء بہتر از صد ساله طاعت بے ریا

ترجمہ:تھوڑی سی دیر اولیاء کی ہمنشینی سو سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔

انتخاب شیخ:

شیخ کی ضرورت تسلیم کر لینے کے بعد انتخاب شیخ میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ شیخ کے باطنی کمالات کا اندازہ تو ایک مبتدی کسی صورت کر ہی نہیں سکتا مگر اس کی ضرورت بھی نہیں۔ جب ایک شیخ اوصاف مشیخیت سے متصف ہے (ان اوصاف کا ذکر آگے آئے گا) تو انتخاب کنندہ کو صرف حسب ذیل امور پر نگاہ ڈال لینا کافی ہے، (۱) ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو اور یہ دیکھے کہ جتنی دیر وہاں بیٹھا کم از کم اتنی دیر دنیا کے خطرات و وساوس اس کے قلب میں کم ہوئے یا نہیں اور خدا اور اس کے رسول کے متعلق اس کے دل میں کچھ ذوق وشوق بھی پیدا ہوا۔ ان کے پاس سے اٹھ آنے کے بعد اس کے قلب کی حالت خواہ ویسی ہی ہو گئی ہو جیسی کہ معمولاً تھی مگر جتنی دیر وہاں حاضر رہا اس قسم کا خفیف سا تغیر بھی اس نے محسوس کیا یا نہیں۔

(۲) ان بزرگ کے مریدین کی حالت میں کوئی بہتر تغیر واقع ہوا یا نہیں، قبل مرید ہونے کے ان لوگوں کی کیا حالت تھی اور مرید ہونے کے بعد ان میں کس قسم کی تبدیلی واقع ہوئی۔ (۳) جتنی دیر تک ان بزرگ کی خدمت میں بیٹھا انکی زبان سے بعض الفاظ ایسے بھی نکلے یا نہیں جو اسکے حسب حال ہوں یا جن سے اس کو ہدایت یا تسکین ہوئی ہو یا اسکی کوئی الجھن رفع ہوئی ہو یا کوئی عقدہ حل ہوا ہو۔

اگر ان تینوں امور میں اس کو اچھی رائے قائم کرنے کا موقع مل گیا ہو تو وہ شخص آنکھ بند کر کے ان بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کر لے کیونکہ پھر اس کو (جہانتک کہ اسکی ہدایت اور اصلاح کا تعلق ہے) ان سے بہتر کوئی بزرگ دستیاب نہ ہوں گے۔

اوصاف شیخ:

مشیخیت کے لیے شیخ میں ان باتوں کا ہونا ضروری ہے: (۱) تقویٰ و پرہیز گاری و اتباع قرآن و حدیث کا ہونا شیخ میں لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ** (لقمٰن. ۱۵) (ایسے شخص کی پیروی کرو جو میری طرف رجوع ہوتا ہو) اور فرماتا ہے **لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝** (الدھر. ۲۴) (مت کہا مان ان میں سے گنہگار کا یا کفر کرنے والے کا) گنہگار کو اس آیت میں کافر پر تقدیم اس سبب سے دی گئی ہے کہ ایک مؤمن کو گنہگار کی صحبت سے بنسبت کافر کی صحبت کے زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝** (الکھف. ۲۸) (اور مت کہا مان اس شخص کا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اور اس کی

روش حد سے تجاوز کر گئی ہو)۔

(۲) اس امر کی بڑی ضرورت ہے کہ شیخ صاحبِ بصیرت ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○** (کہدو (اے محمدؐ) کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی جانب بلاتا ہوں اور پر بصیرت کے (یعنی اس حال میں کہ اللہ اور اللہ کے راستہ کی سوجھ بوجھ رکھتا ہوں) میں اور میرا اتباع کرنے والے (یعنی میری روش یہ ہے اور جو میری اتباع کرتے ہیں ان کی بھی یہی روش ہے) اور اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتا ہوں اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں)۔

(۳) اس کی بھی اشد ضرورت ہے کہ شیخ ایسا ہو جس نے کسی صاحبِ نسبت بزرگ کی صحبت میں رہ کر اخذ فیضان کیا ہو اور ارشاد کی باقاعدہ اجازت حاصل کی ہو اور اس کا یہ سلسلہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو۔ اس اجازت کی ابتدا سے ضرورت چلی آرہی ہے۔ حق تعالیٰ اپنے نبی کی شان میں فرماتا ہے **وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ○** (الاحزاب۔ ۴۶) (اور بلانے والا طرف اللہ کے ساتھ اس کے (یعنی اللہ کے) اذن کے اور چراغ روشن)۔ صوفیائے کرام نے ہر امر میں اس اجازت کی شرط کو بہت ملحوظ رکھا ہے۔ **سراجا منیرا** میں یہ اشارہ ہے کہ ایک چراغ سے ہزاروں لاکھوں چراغ روشن ہو جاتے ہیں، مگر سا یک شمس سے دوسرا شمس یا ایک قمر سے دوسرا قمر نہیں بن سکتا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے ہے کہ دعوت الی اللہ کے امور میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا جائز اور صحیح وارث وہی ہوسکتا ہے جس نے ''سراجا منیرا'' کی فیض بخش صفت سے ورثہ پایا ہو۔ یعنی جو نسبت متعدی رکھتا ہو۔ نسبت لازمی رکھنے والے بزرگ جو اپنی ذات سے بہت اچھے ہیں مگر دوسروں کو اپنے سانچہ میں نہیں ڈھال سکتے اور دوسروں پر اپنی نسبت کا مفید اثر نہیں ڈال سکتے مسند ارشاد پر متمکن ہونے کی اہلیت نہیں رکھتے۔

جو لوگ مندرجہ بالا اوصاف سے متصف نہیں، خواہ کتنے ہی بڑے گھرانوں اور خانوادوں سے تعلق رکھتے ہوں، کیسے ہی جلیل القدر بزرگوں کی اولاد میں سے ہوں، کتنی ہی بڑی بڑی خانقاہوں اور درسگاہوں کے سجادہ پر بیٹھے ہوئے نظر آئیں اور سادہ لوح معتقدین کی کتنی ہی بڑی بڑی جماعتیں ان کو گھیرے رہتی ہوں اس قابل نہیں کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کو اپنا پیشوائے شریعت وطریقت بنایا جائے، اور حقیقت وآگاہی کے میدان میں ان سے کسی مفید رہنمائی کی توقع کی جائے۔

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند

ہزار نکتہ باریک تر زمو اینجاست نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

ترجمہ: ہر ایک میک اپ کرنے والا محبوبیت نہیں جانتا اور نہ ہر آئینہ بنانے والا اسکندر بادشاہ کی صفات رکھتا ہے۔ اس جگہ بال سے باریک تر ہزاروں نکتے ہیں ایسا نہیں کہ ہر سر تراش لینے والا آدمی قلندری جانتا ہو۔

توحید مطلب:

اپنے شیخ کی جانب یکسوئی، اس سے انتہا درجہ کی محبت اور جان و مال سے بھی زیادہ اسے عزیز رکھنا اور یہ سمجھنا کہ دنیا میں گو ہزاروں لاکھوں بزرگ ہوں مگر میرا مطلب میرے ہی شیخ سے حاصل ہوگا، توحید مطلب کہلاتا ہے۔ فیض حاصل کرنے کے لیے توحید مطلب کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ جب تک اپنے شیخ کے ساتھ اس نوع کی یکسوئی کا تعلق پیدا نہ ہوگا اخذ فیضان نہ ہو سکے گا۔ اپنے شیخ کی موجودگی میں بلا اس کی اجازت کے کسی دوسرے کی جانب استفادۃً نگاہ ڈالنا یا اس سے بیعت کرنا طریقت میں ممنوع ہے۔ ایسی بیعت بیعت ہی نہیں ہوتی بلکہ مصافحہ کا حکم رکھتی ہے، بیعت معتبر وہی ہے جو پہلے شیخ کے ہاتھ پر ہو چکی ہے۔ اس بیعت سے اپنے آپ کو خارج کرنے کا اس شخص کو کوئی حق حاصل نہیں جو اپنی جان کو، اپنے مال کو بلکہ اپنی پوری ہستی کو فروخت کر چکا ہے۔ اب وہ اپنی ملکیت ہی میں نہیں رہا جو اسے یہ آزادی حاصل ہو کہ اپنے آپ کو ادھر ادھر فروخت کرتا پھرے۔ ایک غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اپنے آپ کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت نہیں کر سکتا۔ اگر فروخت کرے گا تو بیع ناجائز ہوگی اور غلام مجرم ٹھہرے گا۔

دوئی بمذہب عشاق معنوی کفر است خدا یکے و پیمبر یکے و پیر یکے

ترجمہ: عاشقوں کے مذہب میں دوئی معنوی کفر ہے۔ خدا ایک پیغمبر ایک اور پیر ایک (یہ اصول ہے)۔

آداب مریدی:

تصوف میں ادب کی سخت ضرورت ہے۔ "التصوف کلھا ادب"۔ یہ عشق کا کوچہ ہے۔ عشق میں از اول تا آخر ادب کی ضرورت ہے۔ جو مغلوب الحالی سے محفوظ ہیں انھیں بجز مؤدب رہنے کے چارہ نہیں

دور بیٹھا غبار میر اوس سے عشق بن یہ ادب نہیں آتا

شیخ واسطہ بنتا ہے اللہ اور مرید کے درمیان۔ شیخ آنکھوں کے سامنے ہے اور اللہ تعالیٰ ان ظاہری آنکھوں سے اوجھل۔ مرید ابتدا میں محسوسات میں مقید ہوتا ہے۔ اس کی منزل محسوس سے شروع ہوتی ہے اور غیر محسوس پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ پہلے شیخ ہی سے سابقہ پڑتا ہے جو حق تعالیٰ کے اسم ''یاہادی'' کا مظہر ہے۔ اس

لیے شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہی وہ تمام معاملات شروع ہوجاتے ہیں جو کہ اسم ''یاہادی'' کے مظہر کے شایان شان ہیں۔ شیخ بہت بڑی چیز ہے اور بہت بڑا کام کرتا ہے اس لیے مرید کا فرض ہے کہ ہر ظاہری اور باطنی طریقے سے شیخ کا بہت بڑا ادب کرے، اور اس سے بہت زیادہ محبت رکھے۔ تفرد شیخ کا معتقد رہے یعنی یہ سمجھے کہ میرے حصول مقصد کے لیے میرے شیخ سے بہتر دنیا میں کوئی اور نہیں۔ اس سے اپنا کوئی راز مخفی نہ رکھے۔ اسے اپنا طبیب سمجھے اور اس کے حکم پر دیانتداری کے ساتھ عمل کرے۔ اس کی کسی بات سے بدظن نہ ہو۔ اس کے متعلق دل میں کسی قسم کے شبہات نہ آنے دے۔ اس کی کسی بات پر دل میں شک نہ لائے۔ اس کے احکام کے ظاہر پر عمل کرے، تاویل کر کے اس کا کوئی حکم اپنی رائے سے بدل نہ دے۔ کسی حکم کی مصلحت سمجھ میں نہ آئے تو بھی اس پر عمل کرے۔ کوئی کام بغیر اس کے حکم کے نہ کرے۔ اپنے آپ کو اس کے ہاتھ میں اس طرح سمجھے جس طرح کہ میت غسال کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ مرید کتنا ہی بڑا عالم ہو مگر وہ ہمیشہ یہی سمجھے کہ شیخ علم میں مجھ سے بڑھا ہوا ہے۔ شیخ کے وہ اسرار از قسم کشف و کرامات یا از قسم دیگر جنھیں شیخ مخفی رکھنا چاہتا ہو ظاہر نہ کرے۔ ہر وقت بہت ادب سے پیش آئے، نگاہ نیچی اور گردن جھکی ہوئی رکھے۔ گفتگو اور ذکر کے وقت آواز پست رکھے۔ شیخ کے مصلّے پر قدم نہ رکھے۔ شیخ کے سامنے نوافل نہ پڑھے۔ شیخ سے مثل برابر کے دوستوں کے بے تکلفی کی باتیں نہ کرے۔ جب جب تک شیخ خود کسی اسرار سے پردہ نہ اٹھائے اس کے متعلق سوال نہ کرے اور یہ سمجھ لے کہ جب شیخ مجھ میں اس کی صلاحیت پائے گا تو خود ہی پردہ اٹھاوے گا۔ اس معاملہ میں حضرت خضر اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ پر غور کر لیا کرے۔ شیخ کو جن امور سے نفرت ہے یا جو امور اس کی طبیعت یا اس کے مزاج کے خلاف ہیں ان سے اجتناب کرے۔ بے موقع کسی گفتگو کو نہ چھیڑے۔ بلا اجازت کچھ عرض نہ کرے یہ اور اس قسم کے جملہ آداب جو طریقت کی کتابوں میں تفصیل سے درج ہیں نہایت ضروری ہیں، ان کی پابندی میں کوتاہی فیضان کی کمی کا باعث ہوتی ہے۔ شیخ کے دل میں مرید کی جسقدر محبت ہوگی اسی قدر فیضان کی زیادتی ہوگی اور حق تعالیٰ کی نگاہ میں اس مرید کی اتنی ہی زیادہ وقعت ہوگی۔ اس لیے مرید کا فرض ہے کہ اپنی روش اور خوش ادائی اور فرمانبرداری اور خدمت اور ادب اور ایثار اور جاں فروشی سے شیخ کے دل میں گھر کرے اور شیخ کو اپنے سے ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کرتا رہے۔

(سرِ دلبراں۔ حضرت سید محمد ذوقی شاہ صاحبؒ)

☆☆☆☆☆

’’سانحہ ارتحال‘‘

جناب ڈاکٹر عبدالرشید صاحب حج مکمل کر کے حالت احرام میں شہید ہو گئے۔ مرحوم طوف زیارت کر کے اپنی گاڑی کی طرف جا رہے تھے کہ سڑک پر ایک بس نے ٹکر ماردی۔ ٹکر لگتے ہی زمین پر گرے، فوراً اٹھے اور ایک پاک جگہ پر جا کے سر بسجود ہو گئے۔ پولیس والے نے ڈرائیور کو گرفتار کر لیا اور مرحوم کا انتظار کرنے لگے کہ وہ سجدے سے اٹھیں تو کیس درج کیا جائے۔ جب کافی دیر تک سجدے سے نہ اٹھے تو پولیس والے نے پاس جا کر ہلایا جس پر اسے پتہ چلا کہ ان کی روح پرواز کر گئی ہے، جبکہ شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ جس پولیس والے نے نعش کو اٹھایا اس کے بقول نعش سے مشک کی طرح خوشبو آ رہی تھی، یہ خوشبو بعد میں پولیس والے کے ہاتھوں سے بھی آتی رہی۔ پانچویں دن ورثاء نے نعش وصول کی اور بلڈنگ میں لائے تو پوری بلڈنگ خوشبو سے معطر ہو گئی۔ دوران غسل پسلیوں کے پاس معمولی زخم پایا گیا جس سے پانچویں دن بھی تازہ خون بہہ رہا تھا۔ جب ان کے بال بچے جو حج میں شامل تھے پہنچے تو اس وقت نعش کی آنکھوں سے دو آنسو نکل کر ٹپکے۔ مرحوم کی نماز جنازہ بروز جمعہ بعد از نماز جمعہ حرم مکہ میں پڑھی گئی۔ امام کعبہ شیخ سدیس جو دوران حج موجود نہ تھے اس نماز کے امام تھے۔ دوران قرأت موصوف بھی روئے اور مجمع پر بھی ایک رقت کی کیفیت طاری ہوئی۔ راقم الحروف بھی اس جنازہ میں شریک تھا۔

ڈاکٹر عبدالرشید صاحب لیڈی ریڈنگ ہسپتال پشاور کے شعبہ ناک، کان و گلہ کے سپیشلسٹ تھے اور آجکل طائف میں خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ بندہ کے خاص شاگرد تھے۔ پوری باشرع زندگی تھی اور تبلیغی تحریک کے ساتھ خوب کام کرنے والے تھے۔ ہسپتال کی او۔ پی۔ ڈی کے مریض جب تک ختم نہیں کر لیتے تھے باہر نہیں نکلتے تھے خواہ دن کے دو ہی بج جائیں۔ حالانکہ دیگر ڈاکٹر صاحبان بارہ بجے ہی چھٹی کر لیتے ہیں۔ مرحوم نے ایک مرتبہ یونیورسٹی کے ایک ہاسٹل سے فحاشی کا اڈہ ختم کرنے کے لیے بندہ کے ساتھ جان پر کھیل کر کام کیا تھا۔

****

ریٹائرڈ نائب تحصیلدار اور تبلیغی مرکز پشاور کی شوریٰ کے رکن حاجی یعقوب خان صاحب وفات پا گئے۔ مرحوم بیمار تھے اور آخری دنوں میں پروفیسر ڈاکٹر انور صاحب نے علاج معالجے کی خاطر ڈاکٹر سیار صاحب (میڈیکل آفیسر سعدی ہلال احمر ہسپتال) کے حوالے کیا۔ (باقی صفحہ نمبر ۲۰ پر)

’’تذکرہ مولانا محمد اشرفؒ صاحب‘‘

حضرت مولانا محمد اشرف پشاوریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ انھوں نے تبلیغی حضرات اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ (مولانا زکریاؒ) کے ایماء پر فضائل اعمال (جو حضرت کی فضائل کی کتابوں اور حکایات صحابہ پر مشتمل ہے) کا فارسی ترجمہ شروع کیا۔ ترجمہ کے بعد ایک خواب میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو دیکھا، آپ نے (یعنی حضرت تھانویؒ) نے ارشاد فرمایا ’’آپ کو فارسی آ گئی اور آپ نے میری کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کر دیا‘‘۔ پھر پوچھا، ’’کیا آپ کو عربی آتی ہے؟‘‘ بندہ کے اثبات کے جواب پر استفسار فرمایا ’’جرس‘‘ کے کیا معنی ہیں؟ اور جب بندہ نے معانی عرض کیے تو انتہائی مسرت وابتہاج سے حافظ شیرازیؒ کی وہ پوری غزل سنائی جس کا ایک مصرعہ یہ ہے

جرس فریاد می دارد که بر بندید محملها

بندہ نے ایک سفر حج پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ واعلی اللہ مقامہ کو یہ کواب سنایا، نہایت مسرور ہوئے اور خوشی کی خاص کیفیت کے ساتھ فرمایا، ’’حضرت نے میری کتابوں کو اپنی کتابیں فرمایا۔‘‘

اس کے تھوڑی دیر بعد حضراتِ تبلیغ مخدومی المکرّم حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدت فیوضہم وغیرہ تشریف لائے تو حضرت نے بندہ سے مسرت کے ساتھ فرمایا، ’’ان حضرات کو بھی اپنا خواب سناؤ‘‘۔ اور پھر مولانا انعام الحسن صاحب سے فرمایا ’’حضرت نے میری کتابوں کو اپنی کتابیں کہا ہے‘‘۔

☆☆☆☆☆

تَعۡصِی الۡاِلٰهَ وَ اَنۡتَ تُظۡهِرُ حُبَّهٗ ۔۔۔ وَ هٰذَا لَعَمۡرِیۡ فِی الۡفِعَالِ بَدِیۡعٗ

لَوۡ کَانَ حُبُّکَ صَادِقًا لَاَطَعۡتَهٗ ۔۔۔ اِنَّ الۡمُحِبَّ لِمَنۡ یُّحِبُّ مُطِیۡعٗ

ترجمہ: تو اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی نافرمانی کرتا ہے۔ اگر تو اپنے دعویٰ میں سچا ہوتا تو کبھی نافرمانی نہ کرتا، اس لیے کہ عاشق ہمیشہ معشوق کا تابعدار ہوتا ہے۔